Mairaj
Vol 1, Issue 2
https://www.mairaj.pk
info@mairaj.pk

بابر حسین
پی ایچ۔ڈی اسکالر نمل اسلام آباد

نائن الیون کے تناظر میں لکھے گئے حمید شاہد کے افسانوں کا موضوعاتی جائزہ

Babar Hussain
Scholar PhD Urdu National University Of Modern Language Islamabad

A Thematic Review Of Hameed Shahid's Fiction Written In The Context Of 9/11

Mohammad Hameed shahid is a renowned Urdu fiction writer and a distinguished literary critic. He has made contemporary issues the subject of his stories. Such as political ups and downs, religious sectarianism, ethnic and regional conflicts and terrorism. Terrorism is the most serious problem of our time. His work on this subject seems to be quite standard especially his stories in the context of 9/11 are embedded in the soul. The unique of his style and the diversity of his themes are his hallmarks. In this article, we will take a thematic look at the fiction by Mohammad Hameed Shahid in the context of 9/11.

Keywords: Hfameed Shahid, fiction , political. 9/11, embedded

محمد حمید شاہد دنیائے افسانہ میں اس وقت طبع آزمائی کی جب اس میدان میں بیک وقت تین نسلیں اس صنف میں اپنی قسمت آزما رہی تھیں۔ پہلی کھیپ ساٹھ سے قبل کے افسانہ نگاروں میں سے تھی۔اس سیڑھی نے فن افسانہ کو لازوال مقام عطا کیا۔استعارات و علامات سے مملو تراکیب عطا کیں اور سب سے بڑھ کر پاکستانی افسانے کو ایک خاص رتبے پر فائز کیا۔اس قبیل کے فن کاروں میں محمد حسن عسکری، انتظار حسین، ممتاز مفتی، محمد خالد اختر اور غلام عباس کے نام قابل ذکر ہیں۔دوسری نسل میں وہ افسانہ نگار شامل تھے۔ جنہوں نے ساٹھ کے عشرے میں افسانے کی صنف کی جانب توجہ مرکوز کی اور ستر کے عشرے میں اس فن میں خاص مقبولیت حاصل کی۔ان نمائندہ افسانہ نگاروں میں منشایاد، احمد ہمیش، اسد محمد خان، اور رشید امجد شامل ہیں۔اگلی کھیپ میں وہ افسانہ نگار شامل تھے۔ جنہوں نے اپنے معاصر افسانہ نگاروں کی موجودگی میں اپنی الگ شناخت قائم کی لی تھی۔ کیوں کہ جس عصر سے تیسری نسل کے افسانہ نگاروں کا تعلق تھا۔اسی میں پہلی اور دوسری نسل کے افسانہ نگار کسی نہ کسی طرز سے گزرے ہوئے روز و شب کی یادیں تازہ کر کے اپنی تخلیقات کے ذریعے خود کو زندہ رکھے ہوئے تھے۔ان افسانہ نگاروں کے لیے سب سے اہم مسئلہ اپنی شناخت قائم کرنا تھا۔احمد جاوید، مظہر الاسلام، آصف فرخی، محمد حامد سراج، مبین مرزا اور محمد حمید شاہد وغیرہ۔انہی افسانہ میں سے ہیں جنہیں ان مسائل سے دوچار ہونا پڑا۔ان تمام فن کاروں میں محمد حمید شاہد نے ہیئت و اسلوب ہر دو سطح پر اپنی تخلیقات کے ذریعے اپنی انفرادیت کا لوہا منوایا۔انہیں پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد کے حالات و واقعات سے مکمل آگہی رہی اور قیام پاکستان کے بعد کے حادثات و سانحات بھی ان کی طائرانہ نگاہ سے بچ نہیں سکے۔انہوں نے ہر واقعے اور سانحے کا بہ خوبی مطالعہ کیا۔خواہ وہ مارشل لاء ہو یا پھر پاک بھارت جنگیں۔اس تمام تر صورت حال کا مشاہدہ کرنے کے بعد انہوں نے ان واقعات کو اپنے افسانے کا موضوع بنایا اور مختلف مسائل اور سانحات کو افسانوں کے قالب میں ڈھال کر خامہ فرسائی کی۔موضوعاتی حوالے سے ان کے افسانے نہایت متنوع ہیں۔انہوں نے ایک موضوع کو کئی جہتوں پر برت کر خیال کی جنبش اور سرسراہٹ تک کو افسانے کا حصہ بنایا ہے۔ان کی کہانیاں عصری حسیت کی عکاس ہیں۔اسی حسیت کو انہوں نے اپنے تخلیقی عمل کا حصہ بنا کر گرفت میں لینے کی کوشش کی ہیں۔انہوں نے اسلوب اور فن کی سطح پر نت نئے تجربات کیے ہیں۔انہوں نے

حالات حاضرہ کے ان تمام پہلوؤں پر توجہ مبذول کرائی ہے۔ جن سے آج کا انسان متاثر نظر آتا ہے۔ وقت اور زماں سے ملحقہ تمام تصورات افسانے کا حصہ بن جاتے ہیں۔ انہوں نے اپنی کہانیوں میں انسان سے جڑے مذکورہ تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے۔ شاید یہ تمام پہلو بیک وقت ان کے ہم عصر افسانہ نگاروں کے ہاں مشکل سے ہی ملتے ہوں۔ احمد ندیم قاسمی نے ان کے موضوعات کے اسی تنوع پر اس طرح بات کی ہے۔

'' محمد حمید شاہد کے افسانوں کے ہر کردار کو زندگی کے اثبات یا نفی مسرت یا محرومی کی علامت قرار دیا جاسکتا ہے۔ ان افسانوں کا ایک ایک کردار ایک ایک لاکھ انسانوں کی نمائندگی کرتا ہے۔ محمد حمید شاہد اپنے افسانوں کو لمحہ رواں کی معاشرتی اور تہذیبی زندگی کی تاریخ کا درجہ بھی دے دیا ہے۔''(۱)

پاکستان کا ایک بڑا المیہ یہ رہا ہے کہ یہ ابتداء ہی سے بدامنی کا شکار رہا ہے۔ ۱۹۷۷ء کے مارشل لاء کے بعد اسی اور نوے کی دہائی میں ایسی صورت حال پیدا نہ ہو سکی جس سے عوام راحت وانبساط کے ماحول میں سانس لے سکیں نہ ہی ایسے حکمران نصیب ہو سکے جو ملک کی بہتری اور فلاح و بہبود کے لیے کوئی جامع حکمت عملی اپنا سکیں۔ نتیجتاً پاکستانی معاشرہ کئی حصوں میں تقسیم ہو کر رہ گیا۔ یہاں کے لوگ مذہبی فرقہ واریت، علاقائیت، رنگ، نسل اور زبان اور گروہ بندیوں میں محو ہو گئے کہ اپنی تہذیب کو ہی بھول گئے۔ ایسے ماحول میں ترقی کے امکانات ناپید ہو چکے ہیں۔ محمد حمید شاہد نے اپنے افسانوں میں پاکستانی فرد کی شخصی اور انفرادی شناخت اُجاگر کرنے کی کوشش کی اور ساتھ میں عہد حاضر کے واقعات و حالات اور سماج پر ان کے اثرات کا عکس نہایت لطافت اور عمدگی سے پیش کیا ہے۔

'' محمد حمید شاہد بلاشبہ خالدہ حسین، منشایاد، اسد محمد خان، مظہر الاسلام، رشید امجد، مشرف احمد اور احمد جاوید کے میں اردو افسانے کے منظر نامے میں ظہور کرنے والی پیڑھی میں ایک معتبر اور نہایت لائق توجہ افسانہ نگار کے طور پر سامنے آئے ہیں۔''(۲)

پاکستانی اردو افسانہ اپنی سماجی و سیاسی صورت حال سے جڑا ہوا ہے۔ اس نے جس شدت احساس سے عصری سیاسی حالات و واقعات کو موضوع بنایا ہے۔ اس سے نائن الیون کا سانحہ بھی نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے۔ محمد حمید شاہد کے کئی افسانوں کا موضوع گیارہ ستمبر کا واقعہ اور اس کے بعد کی عالمی سیاسی صورت حال ہے۔ ان کا افسانوی مجموعہ '' مرگ زار'' میں شامل افسانے اس ضمن میں قابل ذکر ہیں۔ جن میں ''سورگ میں سؤر''، '' لوتھ''، ''گانٹھ''، '' موت منڈی میں اکیلی موت کا قصہ'' اور مرگ زار نہایت اہم ہیں نائن الیون کا دن عہد حاضر کی تاریخ کا اہم ترین دن ہے۔ جب قدیم تہذیبی اقدار اختتام پذیر ہوئیں اور مشرق و مغرب کے درمیان نئے سمبندھ استوار ہوئے۔ یوں تو یہ سانحہ امریکہ میں رونما ہوا مگر اس نے پوری دنیا پر گہرے نقوش ثبت کیے۔ خصوصاً مسلم ممالک کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا اور ان کی حیثیت ہی مشکوک ہو کر رہ گئی۔ دنیا کے ہر کونے میں مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھا گیا۔

جس سے ان کی شناخت ہی مسخ ہو کر رہ گئی۔ نائن الیون کا سانحہ مسلمانوں کی کایا پلٹ کا سبب بن گیا۔ ان تمام تر سیاسی و سماجی حالات کو تقریباً تمام اہل قلم نے موضوع بنایا اور عالمی سطح پر مسلمانوں کے ساتھ جو جو سلوک روا رکھا گیا اور حتیٰ کی ان کی زندگیوں تک کو داؤ پر لگا دیا گیا۔ اس سب کی بہترین عکاسی حمید شاہد کے افسانے میں ملتی ہے۔ اس حوالے سے لکھے گئے افسانوں میں دہشت، وحشت اور خوف کا عنصر بھرپور طریقے سے جلوہ گر نظر آتا ہے۔ گویا نائن الیون کرہ ارض پر ایک تاریخی بیانیہ بن کر ابھرا ہے۔ موجودہ صدی میں دہشت گردی کی اصطلاح نے پورے عالم انسانی کو خوف و ہراس میں مبتلا کر دیا ہے۔ یہ اصطلاح یوں تو اپنا ایک مخصوص معاشرتی و سیاسی پس منظر رکھتی ہے۔ مگر عہد حاضر میں اس نے معانی و مفاہیم کے نئے ڈھب اختیار کر لیے ہیں اور اپنا رُخ کسی مخصوص گروہ یا طبقے تک ہی مختص کر لیا ہے۔ امریکہ نے جس بے دردی سے طالبان کے نام پر پورے افغانستان کو تہس نہس کر کے رکھ دیا ہے۔ اس سے انسانی روح بھی کانپ جاتی ہے۔ حمید شاہد کا افسانہ ''مرگ زار'' اسی ظلم و بربریت، وحشت و خون ریزی، انسانی تذلیل اور استحصال کے تناظر میں لکھا گیا ہے۔ اس افسانے میں ہلاکت آفرینی کے بے شمار زاویے سامنے آئے ہیں۔ '' مرگ زار'' کے موضوع کے حوالے سے منشایاد اس طرح رقم طراز ہیں:

'' وہ کہانی جس پر کتاب کا نام رکھا گیا۔۔۔۔۔ اس کہانی کا موضوع جہاد اور شہادت جیسا نازک مسئلہ ہے۔ جس کی کچھ عرصہ پہلے تک کچھ اور صورت حال تھی۔ اب نائن الیون اور عالمی طاقتوں کی مداخلت سے کچھ اور صورت بن گئی ہے۔'' (۳)

نائن الیون کے تناظر میں حمید شاہد کا افسانہ '' سورگ میں سؤر'' نہایت اہمیت کا حامل نمائندہ افسانہ ہے۔ اس افسانے میں گیارہ ستمبر کے واقعے کے بعد عالمی استعمار اور امریکی مذموم عزائم کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ افسانہ ''دہشت'' میں لپٹا ہوا ہے۔ مصنف نے افسانے میں سوروں بکریوں اور کتوں کی علامتوں کو مشرق و مغرب کے حوالے سے کی ہے۔ افسانے کا عنوان ہی علامت سے مملو نظر آتا ہے۔ اس افسانے کی پرت در پرت کہانی ہمارے سامنے کھلتی چلی جاتی ہے۔ جس میں عالمی طاقتوں کے مکروہ چہرے بے نقاب ہوتے چلے

جاتے ہیں۔اس افسانے کا دیہی منظر نامہ علامتی انداز میں دنیا کے گلوبل ویلج ہونے کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ جن موامات پر مونگ پھلی کی فصل پر بادشاہوں کی حکمرانی کا تذکرہ آتا ہے وہاں قاری بآسانی محسوس کر سکتا ہے کہ افسانہ نگار نے کن عناصر کی جانب اشارہ کیا ہے۔

'' سورگ والوں نے کتوں کی تعداد بڑھائی ضرور تھی مگر یہ تعداد کبھی کافی نہ ہو پائی تھی کہ لائن لگانے والا یہ بے شرم جانور بڑھتا بھی بڑی سرعت سے تھا۔ ہر اڑھائی مہینے کے بعد ان کی حرام زادیوں کی بکھیاں بھر جاتیں اور سال بعد پتہ چلتا کہ پچھلے برس کے مقابلے اس بار تین گنا زائد آئے اور مانگ پھلی کے کھیتوں کو کھود کر پلٹ گئے۔'' (۴)

یہ افسانہ ہمارے عہد کی ان حقیقتوں کی پردہ کشائی کرتا ہے جو گھُن کی طرح اس خطے کو چاٹتی جا رہی ہیں۔ یہ حقیقتیں انسانیت کی دھجیاں اُڑا رہی ہیں۔ اگر ہم ان حقیقتوں کو کوئی نام دینا چاہیں تو وہ ہیں ظلم واستبداد، حقوق کی پامالی، انسانیت سوز تذلیل و تحقیر وغیرہ۔ اس افسانے میں ''سور'' کو '' جبر'' کی نئی معنویت کے طور پر متعارف کرایا گیا ہے۔ ۹/۱۱ سے قبل کی صورت حال کو افسانہ نگار اس طرح بیان کرتے ہیں:

''پہلے بے بسی ضرور تھی۔ لیکن ہمت ہی ٹوٹ جائے ایسی لاچاری اور بے کسی نہ تھی، نہ پھڑکی والے سال نہ آنے والے برسوں میں۔۔۔۔اور اسی موت کے کھیل میں سے زندگی کا چھچھا برآمد ہو جایا کرتا تھا۔''(۵)

نائن الیون کے سانحے نے دنیا کا سارا منظر نامہ ہی بدل کر رکھ دیا۔ ہر سو ایک عجیب سی بے بائیگی کا احساس پھیل گیا تھا۔ انسانیت بذات خود ایک سوالیہ نشان بن کر رہ گئی تھی۔ مسلمان ہونا ہی انسان کے لیے ایک طعنہ بن گیا تھا۔ دنیا بھر کے مسلمانوں خواہ وہ کسی بھی خطے میں تھے، اچانک ہی ان کے لیے ''دہشت گرد'' کا ٹیگ استعمال کیا جانے لگا۔ اس گھٹن زدہ ماحول میں ہنستے بستے انسانوں کا جینا دوبھر ہو گیا تھا۔ خاص کر مغرب میں بسنے والے مسلمانوں کو تو بغیر قصور کے کٹہرے پر لا کھڑا کیا گیا۔ پاکستان کے نام دہشت گردی میں ملوث تنظیموں کی پشت پناہی کرنے والے ممالک میں اولین فہرست میں لیا جانے لگا۔ حمید شاہد مابعد نائن الیون کی صورت حال کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

'' اور اب یہ ہو چکا ہے کہ کتے بہت زیادہ ہو گئے ہیں۔۔۔ بہت زیادہ اور بہت قوی اتنے زیادہ کہ ہمارے حصے کا رزق بھی کھا جاتے ہیں۔۔۔ لہذا ہم خوف اور اندیشیوں سے کانپے جاتے ہیں۔''(۶)

اس افسانے میں افسانہ نگار نے انسانی جبلتوں اور خصائل کو علامت کے پیرائے میں ڈھال کر نئی تعبیریں وضع کی ہیں۔ مجموعی طور پر یہ عالمی استعمار اور مقامی سامراجیت کے گٹھ جوڑ پر کاری ضرب لگاتا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر نوازش علی رقم طراز ہیں:

''افسانے کی علامتوں میں سیاست کو معیشت کے ساتھ جوڑ کر عالمی منظر نامے کو بیان کیا گیا ہے۔'' (۷)

جنریشن گیپ، رشتوں کی پامالی اور ان کے سوچ کے بدلتے ہوئے زاویے کا نوحہ ہمارے ادب کا خامہ ہے۔ خاص طور پر موجودہ عہد میں ان کا جس طرح ارتقاب کیا جا رہا ہے وہ حیرت انگیز ہے۔ کوئی بھی حساس تخلیق کار ایسی صورت حال سے نظریں نہیں چُرا سکتا۔ ان ساری حقیقتوں کو محمد حمید شاہد نے بھی کہانیوں کا موضوع بنایا ہے۔ افسانہ لوتھ ۹/۱۱ کے بعد کے حالات وواقعات کو موضوع بنایا گیا ہے۔ جس میں ایک بیٹا اپنے باپ کی اقدار کا احترام کرنے سے قاصر ہے۔ اس کی سوچ کا انداز ہی بالکل مختلف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باپ نے اپنی تکلیف تک کو اس سے پوشیدہ رکھا۔

'' اس کی ٹانگیں کولہوں سے بالشت بھر نیچے سے کاٹ دی گئی تھیں۔ ایک مدت سے اس نے اپنے تلوؤں کے گھاؤ اپنے ہی بیٹے نہ دیے تھے۔۔۔۔ ضبط کرتا رہا اور اونچی نیچی راہوں پر چلتا رہا تھا۔۔۔۔ مگر کچھ عرصہ سے یہ زخم رسنے لگے تھے اور چڑھوں درد گٹھنوں کی جکڑن بن گیا تھا حتیٰ کہ دردوں کی تپک اس کے حواس معطل کرنے لگی۔ اسے سمتوں کو شعور نہ رہتا تھا۔ جدھر نہ جاتا بل کہ الٹ سمت کو نکل کھڑا ہوتا۔''(۸)

باپ کا بیٹے سے اپنے زخموں کو چھپانا ایک ذہنی خلا کا ہی سبب تھا۔ مگر جب یہ ناقابل برداشت ہوا تو بالآخر یہ راز آشکار ہو ہی گیا۔ راز افشائی کا واقعہ بھی نہایت انوکھا تھا۔ بیٹا ٹی وی اسکرین پر بار بار دکھائے جانے والے اس عجیب سانحے کو حیرت سے دیکھے جا رہا تھا۔ جہاں ایک جہاز نہایت اونچی عمارت سے ٹکرا گیا اور نیچے لوگوں کا مجمع اس منظر کو نہایت حیرانی سے دیکھ رہا تھا۔ جیسے ان کے ذہنوں میں ایک کشمکش سی طاری ہو کر ایک نہ ایک دن تو یہ سب کچھ ہو کر رہنا تھا۔ بیٹے کے ساتھ باپ بھی اس سارے منظر کو دیکھ رہا تھا۔ مگر چند دنوں میں خوف و وحشت کا شکار ہو گیا تھا۔ اس کی یادداشت میں ہر چیز اس کو ہر اس بات سے متنفر کرنے لگی تھی جس کو اس نے اپنی جوانی کے ایام میں نہایت خوش سلیقگی سے کیا تھا۔ ان سب خوب صورت یادوں کی جگہ اس کے ذہن میں خوف کے سائے منڈلانے لگے۔ افسانہ نگار نے ۹/۱۱ کے بعد کی صورت حال کے ذہن انسانی پر اثرات کو نہایت ہی چابکدستی سے بیان کیا ہے۔

''وہ اپنے دوستوں سے اس قدر وابستہ ہوتے ہوئے بھی ان جیسا نہ ہو سکا تھا۔ اس کے ساتھی عین اس وقت کہ جب وہاں سے ریل کو گزرنا ہوتا تھا، اسے کھینچ کر ادھر اوپر لے جاتے ۔۔۔۔ وہاں جہاں تنگ سے پل کے اوپر سے ریل گزرتی تھی تو سارے میں ریل کے گزرنے کی گڑگڑاہٹ بھر جاتی تھی۔ ریل گزرنے کے لمحات میں وہ سب کے نیچے سے اوپر کا نظارہ کرتے اور قہقہے مارتے تھے۔۔۔۔ مگر وہ دہشت زدہ ہو کر وہاں سے بھاگ نکلتا تھا۔ قہقہے مزید بلند ہوتے، وہ ساری قوت مجتمع کر کے قدم اٹھاتا، اتنی بھرپور قوت سے کہ جیسے اس کا اگلا قدم وہاں پڑے گا جہاں نالہ دم توڑ دیتا تھا۔

بعد کے زمانے میں وہ اس چھوٹے سے نالے کی بابت سوچتا تو اس کا دم ٹوٹتا تھا۔''(۹)

اس افسانے میں حمید شاہد نے نائن الیون کے سانحے کے ذہن انسانی پر اثرات اور نفسیاتی مسائل کو جس طرح بیان کیا ہے وہ قابل دید ہے۔ دو نسلوں کے بیچ کی خلیج اور سانحہ نائن الیون اس افسانے کا موضوع ہیں۔

نائن الیون کے تناظر میں ایک اور افسانہ '' برف کا گھونسلا'' بھی قابل ذکر ہے یہ افسانہ اس سانحے کے پیش منظر کو بیان کرتا ہے۔ اگر ظاہری طور پر دیکھیں تو یہ ایک گھریلو کہانی سی محسوس ہوتی ہے مگر اس کی گہرائی میں تلخ حقیقتیں پنہاں نظر آتی ہیں۔ افسانے کے آخر میں چڑیا کے خاندان کی موت روح کو چیر دیتی ہے۔

'' میں بڑبڑاتا لپک کر کچن تک گیا۔ گھونسلے سے بھی کوئی آواز نہ آ رہی تھی۔ دفعتاً نگاہ اس روشن دان پر پڑی جس میں کل ہی نیا شیشہ لگوایا گیا تھا۔ اس پر باہر کی جانب برف کے گالے جمے ہوئے تھے۔ دل زور زور سے دھڑک اٹھا۔ کچن کا دروازہ کھول کر جھٹ باہر نکلا۔ مری سفید دوشالہ اوڑھے لیٹی ہوئی تھی۔ نظریں پھسلتے پھسلتے کچن کی دہلیز کے پاس ابھری ہوئی سطح پر ٹھہر گئیں۔ میں وہی دوزانوں بیٹھ گیا اور انگلیوں سے برف کی ڈھیری کھرچنے لگا۔۔۔۔۔ اور جب میں برف کھرچ چکا تو مجھے لگا، مری نے دوشالہ نہیں سفید کفن لپیٹ رکھا تھا۔ اسی کفن میں چڑیا کے پر کھلے ہوئے تھے اور دو ننھے منے بچے اس کے پروں تلے دبے کب کے اپنی ماں کی طرح زندگی کی سانسیں ہار چکے تھے۔''(۱۰)

محمد حمید شاہد نے اس افسانے میں علامتی انداز اختیار کیا ہے اور علامتوں کو نہایت عمدگی سے برتا ہے۔ اگر ہم چڑیا کو علامت بنا کر دیکھیں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ ایک ملک مظلوم ہے جو کہ دوسرے طاقت ور ممالک کے رحم و کرم پر ہے۔ اگر ظالم ممالک اپنی نظریں اس سے پھیر لیں تو اس ملک کی حالت زار بھی اس چڑیا کی سی ہو گئی۔ جس نے اپنے بچوں کے ساتھ مری کی برفیلی فضا میں جان دے دی۔ اس افسانے کے بارے میں ڈاکٹر توصیف تبسم لکھتے ہیں:

''اس کی تخلیق کا لگ بھگ وہی زمانہ بنتا ہے جب افغانستان میں روس کی پسپائی ہوئی اور امریکہ نے اپنے اتحادی پاکستان کی طرف سے نہ صرف آنکھیں پھیر لی تھیں بل کہ اس کی امداد بھی بند کر لی تھی۔'' (۱۱)

یہ افسانہ دراصل طاقت ور کی دنیا میں کم زور ور کی اصل وقعت کی جانب اشارہ ہے۔ امریکی تسلط کے بعد تقریباً تمام مسلم ممالک کی حالت بھی اس چڑیا جیسی ہو چکی ہے امریکہ نے جس قدر ظلم کے پہاڑ ڈھائے ہیں تاریخ میں اس کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے سانحے کی آگ تو شاید کئی برس پہلے بجھ گئی تھی، مگر ان ممالک کے انتقام کی آگ آج تک جل رہی ہے۔ جس سے تقریباً تمام مسلم ممالک صعوبتیں برداشت کر رہے ہیں۔

افسانہ گانٹھ بھی نائن الیون کے بعد کی عالمی صورت حال کی عکاسی کرتا ہے۔ یہ افسانہ گیارہ ستمبر کے بعد مغرب میں مقیم ہونے والے اُن پاکستانیوں کا نوحہ ہے جو اپنی تہذیب و اقدار سے بہت دور ہو چکے ہیں۔ اس کہانی میں ایک کردار پاکستانی نژاد ڈاکٹر توصیف کا ہے۔ جو نائن الیون کے سانحے کے بعد بحران کا شکار ہے۔ اور بحران دراصل اس کی شناخت کا بحران ہے۔ تمام مسلمان اور پاکستانی دراصل اس بحران سے دوچار ہوئے تھے۔ کیوں کہ امریکہ ان سب کے کردار ہی مشکوک ہو گئے تھے۔ اسلام کے پیروکاروں کو دہشت گرد کہا جا رہا تھا۔ جس بھی پاکستانی پر لوگوں کی نگاہ پڑتی تو بے اختیار دہشت گرد ہونے کا وہم سا ہونے لگتا۔ ڈاکٹر توصیف انہی پاکستانیوں کی روداد بیان کرتا ہوا ایک کردار ہے ۔ جس نے تمام پاکستانیوں کی مابعد نائن الیون کی تکلیفوں کی غمازی کی ہے۔ بنا کسی جرم کے لوگ جب سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیے گئے تو انسانیت کی آزادی کے بھی تمام راز کھلتے ہی چلے گئے۔

'' کئی روز تک اس سے پوچھا پاچھی ہوتی رہی۔ پھر وقفے پڑنے لگے۔ طویل وقفے۔ اتنے وقفے کہ اُسے یقین ہو چلا تھا کہ اُسے فالتو کا ٹھ کباڑ جان کر اس سیل میں پھینک دینے کے بعد وہ سب بھول گئے تھے، کیتھی، راجز اور ڈیوڈ کو بھی وہ یاد نہ رہا تھا۔ پھر یوں ہوا کہ وہ سب اچانک یوں آ گئے جیسے بھولی ہوئی کوئی یاد آیا کرتی ہے۔''(۱۲)

ڈاکٹر توصیف جو کہ اپنی شناخت کھو کر " طاوٗث " کے انگریزی رنگ میں ڈھل چکا تھا۔ نائن الیون کے سانحے کے بعد اس پر یہ راز کھلا کہ بیس سال کی مکمل سکونت کے بعد بھی وہ امریکی نہ بن پایا اور امریکیوں کے لیے وہ غیر ہی رہا۔ اس سے بڑھ کر وہ ایک دہشت گرد تھا۔ اس افسانے میں ڈاکٹر توصیف ذہنی اضطراب کا امتحان دکھایا گیا ہے۔ اور اپنی مٹی سے کٹنے اور اپنی قدروں سے بہت دور چلے جانے کا احساس زندہ ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ جو کہ اپنی مثال آپ ہے۔

دہشت گردی ایک ایسا موضوع ہے جو گزشتہ بیس برسوں سے ہر روز بدلتے ہوئے لمحے میں نئے پہلوؤں کے ساتھ سامنے آرہا ہے۔ انسان عدم تحفظ اور بے یقینی کا شکار ہوتے جارہے ہیں۔ انسان کی اس کیفیت کا اگر ہم جائزہ لیں تو ہمیں اپنے ارد گرد ہی ایسے کئی کردار ملیں گئے جو اس سارے منظر نامے سے براہ راست متاثر ہوئے ہیں۔ دہشت گردی نے اردو ادب میں جہاد اور کلاشنکوف کلچر کے نئے موضوعات فراہم کیے ہیں۔ حمید شاہد نے بھی خوف، تشدد اور دہشت کے حوالے سے ایک نہایت ہی اہم افسانہ " خونی لام ہوا قتلام بچوں کا " تحریر کیا۔ جس میں ان معصوم فرشتوں کے شہید ہونے کی کہانی ہے جن کو نہایت سفاکی سے موت کی وادی میں دھکیل دیا گیا۔ "سانحہ پشاور" ہمارے ملک کا ایک عظیم سانحہ ہے جس میں سکول کے بچوں کو دہشت گردی کا نشانہ بنایا گیا اور ماؤں سے ان کے لخت جگر چھین لیے گئے۔ اس افسانے میں بھی نائن الیون کے بعد کے حالات کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ افغانستان اور امریکہ کے باہمی تضادات و تنازعات نے ہمارے ملک کا امن و سکون بھی تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ اس جنگ میں پاکستان کے بے گناہ عوام بھی بلاوجہ اپنی زندگیاں داؤ پر لگا چکے ہیں۔ طالبان نے پاکستان میں بدامنی اور انتشار پھیلا رکھا ہے۔ بارود، بم دھماکے، خودکش حملے روز مرہ کا معمول بن چکے ہیں۔ جہاد کے نام پر نہ جانے کتنی معصوم جانیں آن کی آن میں لے لی جاتی ہیں کہ ان لرزہ خیز مناظر سے روح تک گھائل ہو جاتی ہے۔ ایسے دہشت گردوں سے نہ صرف مسجدیں محفوظ ہیں نہ مدرسے، نہ بازار اور نہ ہی دفاتر۔ انسان ہی انسان کے درپے ہے۔ عجیب سی نفسا نفسی کا عالم برپا ہے۔ کفن میں لپٹی بے شمار لاشیں ان بے ضمیر دہشت گردوں سے سوال پوچھتی ہیں کہ آخر کس جرم کی پاداش میں ہمیں مارا گیا۔ خونی لام ہوا قتلام بچوں کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

"بیٹا انیس، جس عمر میں تمھارے ابا کے سر پر سنہرے تاروں والا سہرا سجا تھا عین اس عمر میں تمہارے معصوم بیٹے کی لہو میں لتھڑی ہوئی لاش میں نے اس گھر کے صحن میں دیکھی ہے۔ ہائے کہ یہ تلاش دیکھنے سے پہلے میں مر کیوں نہ گئی تھی۔" (۱۳)

حمید شاہد ایک تلخ حقیقت نگار بن کر ابھرے ہیں۔ ان کی کہانیاں انسانی ضمیر کو جھنجھوڑتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ انہوں نے حقیقت نگاری کے نئے انداز متعارف ہیں۔ انہوں نے ۹/۱۱ کے سانحے اور موجودہ سماجی و معاشرتی حالات اور سیاسی انتشار کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے۔ انہوں نے معاشرے پر ان واقعات کے اثرات کو بھی بھرپور انداز میں واضح کیا ہے۔ افسانہ "جنگ میں محبت کی تصویر نہیں بنتی" بھی سانحہ نائن الیون کے بعد کے حالات کی عکاسی کرتا ہے۔ یہ افسانہ حقیقت نگاری کی ایک عمدہ مثال ہے۔

" ادھر امریکہ میں سات ستمبر کو ورلڈ ٹریڈ سنٹر والا واقعہ ہوتا ہے اور سترہ اکتوبر کوئی دس بجے کا وقت ہوگا جب قندھار پر امریکی طیارے بارود برسانے لگتے ہیں۔ غنی قندھاری کو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر وہاں سے نکلنا پڑتا ہے۔ اپنی بیوی مرجان کے جسم کو روئی کی طرح دھنک دیتا ہے وہ اس کی طرف لپکتا ہے اور ایک دھکتا ہو گولا اس کی آنکھ کے نیچے گوشت پھاڑتا چھیلتا ہوا نکل جاتا ہے جب کہ دوسرا اُس کی ران کی ہڈی چٹخا دیتا ہے۔ شیرین زمان باپ کو سہارا دے کر ایک طرف بٹھاتا ہے اور کندھے پر جھولتی چادر سے ایک ٹکڑا پھاڑ کر باپ کی ران سے بہنے والے خون کو روکنے کے لیے اسے کس کر باندھ دیتا ہے۔ اسی چادر کو وہ باپ کے سامنے خالی زمین پر بچھا دیتا ہے اور سارے میں بکھرے ماں کے گوشت کے لوتھڑے اس پر ڈھیر کر کے گرہ لگا کر پوٹلی بنالیتا ہے۔ پوٹلی باپ کے ہاتھ میں تھما دیتا ہے۔ جو اس سینے سے لگا لیتا۔ وہ اپنے کام میں یوں جتا ہوا ہے جیسے کوئی روبوٹ ایک ترتیب سے سارے کام کرتا ہے۔ اب وہ اپنے باپ کو کندھے پر ڈال کر چلنے کے لیے تیار ہے۔ بارود اب بھی برس رہا ہے مگر وہ پہاڑی علاقے میں پہنچ جاتے ہیں۔" (۱۴)

حمید شاہد کے ہاں علامتوں کے ساتھ ساتھ کہانی کا عنصر نہایت جان دار ہے۔ ان کے افسانے تجسس، تاثر اور تفکر سے لبریز نظر آتے ہیں۔ ان کے افسانوں میں مستعمل علامتیں مذہبی قصوں، حکایات، اساطیر، مظاہر فطرت اور سیاسی و سماجی حالات و واقعات سے متعلق ہوتی ہیں۔

"محمد حمید شاہد زندگی کی تلخ حقیقتوں کے اظہار میں اور تجسس و حیرانی کی نئی دنیاؤں کے انکشاف میں جذباتی نہیں ہوتے بل کہ ایک باوقار سنجیدگی اور متانت ہمہ دم اوڑھے رکھتے ہیں۔" (۱۵)

الغرض! محمد حمید شاہد کے افسانے زندگی کے مشاہدات و تجربات کے گہرے مطالعے کو پیش کرتے ہیں اور ان کے ہاں موضوعات کا تنوع مختلف جہات کھولتا ہے۔ نائن الیون کے بعد دہشت اور خوف میں سسکتی و لرزتی زندگی ہو یا پھر انسانیت کی دھجیاں بکھرتی روداد، موت کے مختلف پہلو ہوں یا پھر زندگی جینے کی چھوٹی چھوٹی وجوہات، اداروں کا انہدام ہو یا پھر سنہری حسیت کی دیہی حسیت پر بے جا یلغار۔۔۔ محمد حمید شاہد کے افسانے اُن تمام موضوعات کا گھیراؤ کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کی شخصیت کی متنوع جہات ہی ان

کو افسانے کی تاریخ میں انفرادیت عطا کرتی ہیں۔ زبان و بیان کی سطح پر بھی انہوں نے موضوعات کی طرح کئی تجربات کیے ہیں۔ وہ عہد حاضر کے ایسے تخلیق کار ہیں۔ جنہوں نے سیاسی موضوعات، سماجی انتشار، بین الاقوامی مسائل اور دہشت گردی جیسے اہم معاملات کو بکثرت رقم کیا ہے۔ ان کے افسانوں کے فن اور موضوعات کو مدنظر رکھ کر یہ بات بغیر کسی شک کے کہی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے طرز کے واحد جن کار ہیں۔

کلیدی الفاظ: دہشت، خوف، انتشار، ظلم، استحصال، دہشت گردی

انڈیکس : محمد حمید شاہد عصر حاضر کے ایسے تخلیق کار ہیں۔ جنہوں نے سیاسی موضوعات، سماجی انتشار، قومی و بین الاقوامی مسائل کے ساتھ ساتھ دہشت گردی جیسے سنگین معاملات و مسائل کو رقم کیا ہے۔ نائن الیون کے تناظر میں لکھے گئے ان کے افسانے دنیائے ادب کو نئے موضوعات فراہم کرتے ہیں جو ان کی ادبی شخصیت کی متنوع جہات کے بے شمار پرت کھولتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ احمد ندیم قاسمی، بند آنکھوں سے پرے، فلیپ، الحمد پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۹۴ء

۲۔ افتخار عارف، اردو افسانے کا اہم نام، مشمولہ "نزول"، گوجرہ، اگست، ۲۰۱۴ء، ص ۱۲۰

۳۔ منشایاد، افسانے کی نئی نسل کا معتبر نام، محمد حمید شاہد، مضمون،، مشمولہ، ماہنامہ آفاق، راول پنڈی، دسمبر ۲۰۱۴ء، ص ۲۶

۴۔ محمد حمید شاہد، سورگ میں سئور، دہشت میں محبت، بک کارنر، جہلم ۲۰۱۵ء، ص ۱۴۶

۵۔ محمد حمید شاہد، سئور گ میں سئور، مرگ زار، ص ۹۶

۶۔ ایضاً، ص ۱۰۴۔۱۰۵

۷۔ نوازش علی، ڈاکٹر، تنقیدی مطالعہ، سورگ میں سور، ماہنامہ، آفاق، راول پنڈی، ص ۲۶

۸۔ لوتھ، ص ۱۱۵

۹۔ لوتھ، ص ۱۱۸

۱۰۔ بند آنکھوں سے پرے، ص ۲۷۔۲۸

۱۱۔ دہشت میں محبت، ص ۱۵

۱۲۔ گانٹھ، ص، ۱۰۹

۱۳۔ خونی لام ہوا قتلام بچوں کا، ص ۲۱

۱۴۔ جنگ میں محبت کی تصویر نہیں بنتی، ص ۶۵

۱۵۔ شفیق انجم ڈاکٹر، اردو افسانہ: بیسویں صدی کی ادبی تحریکوں اور رجحانات کے تناظر میں، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۱۴ء، ص ۳۰۷